سورۂ رحمٰن

ترجمہ

حجۃ الاسلام مولانا سید تلمیذ حسنین رضوی

ناشر

نشرِ دانش۔ نیو جرسی۔ امریکہ

تفسیر

سورۂ رحمٰن

از

المیزان
فی تفسیر القرآن

آیۃ اللہ السید محمد حسین طباطبائی

ترجمہ

سید تلمیذ حسنین رضوی

ناشر

نشر دانش ریسرچ اکیڈمی (امریکا)

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ھیں

<u>کتاب کی شناخت</u>

نام کتاب: تفسیر سورۂ رحمٰن

ترجمہ: حجۃ الاسلام والمسلمین سیّد تلمیذ حسنین رضوی

کمپوزنگ: ولایت علی ابراہیمی

تعداد: ۱۰۰۰

طبعِ اوّل: ۲۰۱۱ء

طبعِ دوم: ۲۰۱۶ء

طابع: سید غلام اکبر (0303-2659814)

نشرِ دانش ریسرچ اکیڈمی (امریکا)

NASHR-E-DANISH RESEARCH ACADEMY
128 Oak Creek Road
East Windsor, NJ 08520
Phone: (609) 426-8663

عرض تنظیم

امت کو قیامت تک گمراہی سے بچانے کے لئے پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن واہل بیت علیہم السلام کی شکل میں دو گرانقدر راہنما چھوڑ کر گئے۔ ان دونوں سے وابستگی کے بغیر کوئی گمراہی سے نہیں بچ سکتا اور وابستگی بغیر معرفت نہیں ہو سکتی۔ معرفت کے لئے علم ضروری ہے اور علم کے لئے زبان دانی۔

ہمارے مشکلات میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ ہماری مادری زبان عربی نہیں ہے اور دینی مآخذ سب کے سب عربی میں ہیں۔ یہیں سے ان افراد کی ضرورت پڑتی ہے جو دونوں زبانوں کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ مزاج تفقہ اور دینی شعور وبصیرت بھی رکھتے ہوں تا کہ وہ دینی ذخیروں کو علاقائی زبانوں میں منتقل کر سکیں اور ان کے فہم پر بھروسہ کیا جا سکے۔

عربی ایک ایسی جامع زبان ہے جس کا ترجمہ کسی بھی دوسری زبان کے مقابل زیادہ مشکل کام ہے چہ جائے کہ کلام اللہ کا ترجمہ کرنا ہو جو عربی میں ہو۔ یہ کام سب کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے عربی سے بھرپور واقفیت کے علاوہ دینی شعور وبصیرت اور اردو ادب سے بھرپور واقفیت ضروری ہے۔ مولانا تلمیذ حسنین صاحب قبلہ میں برجستہ ترجمہ کرنے کی خداداد صلاحیت موجود ہے۔ ان کے ترجمہ میں آورد اور بناوٹ نہیں محسوس ہوتی بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کا ترجمہ ترجمہ نہیں تالیف وتصنیف لگتا ہے۔ زیر نظر ترجمہ وتفسیر ''سورۂ رحمن'' اس کا ایک نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ بطفیل محمدؐ وآل محمدؐ ان کو صحت کے ساتھ طول عمر دے، ان کا قلم تیز رفتاری سے چلتا رہے تا کہ قوم زیادہ سے زیادہ علمی ذخائر سے استفادہ کر سکے۔

والسلام

سید صفی حیدر

سیکریٹری

عرض مترجم

سورۂ مبارکہ ''رحمن'' قرآن مجید کا ۵۵واں سورہ ہے جس میں ۷۸ آیتیں ہیں اور الفاظ کی تعداد ۳۵۱ اور حروف ۱۶۳۶ ہیں۔

جمہور نے کہا ہے کہ یہ سورہ مکۂ مکرمہ میں نازل ہوا ہے لیکن ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں کہا ہے کہ یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا سوائے آیت {يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ} کے، جس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔

پہلی آیت کا آغاز لفظ ''رحمن'' سے ہوا ہے لہٰذا اس سورہ کا نام ''رحمن'' قرار پایا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس مبارک سورت میں ابتدا سے انتہا تک اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے مظاہر و مناظر اور اس کے اثرات و ثمرات نگاہوں کے سامنے اس طرح دکھائی دیتے ہیں گویا کہ ہم پر اس کی رحمتوں کا نزول ہورہا ہے۔

علی بن حمزہ کسائی نے امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے اور وہ امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''لِكُلِّ شَيْءٍ عَرُوسٌ وَعَرُوسُ الْقُرْآنِ سُورَةُ الرَّحْمٰنِ جَلَّ ذِكْرُهُ'' ہر شے کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت سورۂ رحمٰن ہے۔

تفسیر مجمع البیان، تفسیر فتوح رازی، تفسیر نور الثقلین اور تفسیر کنز الدقائق میں بیہقی نے حضرت علیؑ سے روایت بیان کی ہے کہ سورۂ رحمٰن کا نام عروس القرآن ہے۔

اس مبارک سورت میں آیت {فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} ۳۱ مرتبہ

دہرایا گیا ہے تاکہ جنوں اور انسانوں کو متوجہ کر کے انھیں نعمات باری عز اسمہ کا احساس دلایا جائے۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے سورۂ رحمن کی تلاوت انسانوں کی بزم میں کی تو وہ خاموش رہے اور انھوں نے کچھ نہ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب میں نے جنّات کے سامنے سورۂ رحمن کی تلاوت کی اور {فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} تک پہنچا تو اس آیت کو سن کر جنّات نے کہا ''لَا وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ آلَاءِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ'' ''نہیں بالکل نہیں، ہم پروردگار کی کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص رات کے وقت سورۂ رحمن کی تلاوت کرے اور {فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} کی آیت کے پڑھنے کے فوراً بعد یہ کہے: ''لَا بِشَيْءٍ مِنْ آلَائِكَ رَبِّ أُكَذِّبُ'' (پروردگار میں تیری کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلا رہا ہوں) تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو اس کے لیے متعین کردے گا کہ اگر اس شخص نے شب کے پہلے حصہ میں سورۂ رحمن کی تلاوت کی ہے تو وہ فرشتہ صبح تک اس کی حفاظت کرے اور اگر اس نے صبح کے وقت اس کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے تو وہ فرشتہ شام تک اس کی حفاظت پر مامور رہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ابی بن کعب سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جو بھی سورۂ رحمن کی تلاوت کو اپنا معمول بنائے گا تو خداوند عالم اس کے ضعف کو توانائی میں بدل دے گا اور اس کی تلاوت کے سبب شکر نعمات خداوندی بھی ادا ہوجائے گا۔

ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا: سورۂ رحمن کی تلاوت کرتے رہو اور اس کا خاص اہتمام کیا کرو اس لیے کہ یہ سورہ منافقین کے

دلوں میں جاگزیں نہیں ہوگا۔ پروردگار روزِ قیامت اس سورت کو ایک خوب صورت اور خوشبوؤں سے رچے بسے انسان کی شکل میں ظاہر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اُسے ایسی جگہ پر رکھّے گا جو اس کی رحمت سے سب سے زیادہ نزدیکی کا مقام ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس سے مخاطب ہوکر کہے گا کہ ''تو ان افراد کی نشان دہی کردے جو دُنیاوی زندگی میں تیرا خاص خیال رکھتے تھے اور مسلسل تیری تلاوت کیا کرتے تھے۔'' تو اس کی نشان دہی پر اُن افراد کے چہرے نورانی ہو جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ ''تم جس کی چاہے شفاعت کرو'' تو وہ لوگ شفاعت کریں گے یہاں تک کہ کوئی ایسا فرد نہ بچے گا جس کی شفاعت نہ کی جائے۔ اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں چاہو سکونت اختیار کرو۔''

میں نے اس سورۂ مبارکہ کی اہمیت، افادیت اور عظمت کے پیشِ نظر اس سورہ کا اردو میں ترجمہ پیش کیا ہے اور اس کے تفسیری مباحث کو اس دور کی سب سے عظیم تفسیر ''المیزان'' سے لیا ہے۔ اس تفسیر کے خالق آیۃ اللہ محمد حسین طباطبائی اعلی اللہ مقامہ ہیں جنھوں نے بیس جلدوں میں اس علمی، فکری اور نابغۂ روزگار تفسیر کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس تفسیر کو تحریر کرنے میں صرف کیا ہے اور یہ تفسیر اُن کی زندگی کا نہایت بیش بہا اور قیمتی سرمایہ ہے۔

خداوند عالم ہماری قوم کو اس سے استفادہ کا موقع فراہم کرے اور اپنی توفیق کو ہمارے شامل حال رکھے۔

سید تلمیذ حسنین

سورۂ رحمٰن

(اس سورہ کی مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس میں ۷۸ آیتیں ہیں۔)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾
اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۵﴾ وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾
وَ السَّمَآءَ رَفَعَہَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ﴿۸﴾
وَ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ﴿۹﴾ وَ الۡاَرۡضَ
وَضَعَہَا لِلۡاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ وَّ النَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ﴿۱۱﴾ وَ الۡحَبُّ
ذُو الۡعَصۡفِ وَ الرَّیۡحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ
مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ﴿۱۵﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الۡمَشۡرِقَیۡنِ وَ رَبُّ الۡمَغۡرِبَیۡنِ ﴿۱۷﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ یَلۡتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیۡنَہُمَا
بَرۡزَخٌ لَّا یَبۡغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخۡرُجُ مِنۡہُمَا
اللُّؤۡلُؤُ وَ الۡمَرۡجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَ لَہُ الۡجَوَارِ
الۡمُنۡشَـٰٔتُ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ کُلُّ
مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ یَسۡـَٔلُہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ کُلَّ
یَوۡمٍ ہُوَ فِیۡ شَاۡنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

سورۂ رحمن

رحمن نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔
سورج اور چاند ایک مقررہ حساب کے پابند ہیں۔ تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ اسی نے آسمان کو رفعت عطا کی اور میزان قائم کر دی تا کہ تم لوگ تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک وزن کرو اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

اس نے زمین کو تمام مخلوقات کے لیے بنایا ہے۔ اس میں ہر طرح کے میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے اناج ہیں جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے اور دانہ بھی۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟!

اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے اور جنّات کو آگ کے شعلوں سے خلق فرمایا ہے۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کے کن کن عجائبات کو جھٹلاؤ گے؟!

وہ دو مشرقوں اور مغربوں کا پروردگار ہے۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نوازشات کو جھٹلاؤ گے؟!

اس نے دو دریا بہائے ہیں جو آپس میں مل جاتے ہیں پھر بھی ان کے درمیان ایک حد فاصل موجود رہتی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے؟!

ان سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن کمالات کا انکار کرو گے؟!

اور یہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند نظر آ رہے ہیں اسی کی قدرت کا کرشمہ ہیں۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے؟!

ہر وہ مخلوق جو زمین پر آباد ہے اس کے لیے فنا ہے۔ صرف تمھارے رب کی ذات کے لیے بقا ہے جو صاحب جلال واکرام ہے۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے؟!

زمین وآسمان میں بسنے والی ہر مخلوق اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر رہی ہے۔ ہر آن اس کی نئی شان ہے۔

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن صفات حمیدہ کا انکار کرو گے؟!

تفسیر:

یہ سورۂ مبارک اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ نے اجزائے کائنات آسمان، زمین، خشکی، تری (سمندر) انسانوں اور جنوں کو زیور تخلیق سے آراستہ کیا ہے۔ نیز ان اجزاء کو اس طرح منظم کیا ہے جس سے جن وانس دونوں مخلوق اپنی اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے یہ جہاں دو طرح کی تخلیق میں منقسم ہے۔ ایک حیات دنیوی ہے جو جلد ہی اپنے باشندوں سمیت فنا ہو جائے گی اور دوسری حیات اُخروی ہے جس کے لیے بقا اور دوام ہے۔ جس میں سعادت کو شقاوت (بدبختی) سے اور نعمت کو مصیبت سے متمیّز کیا جا سکے گا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عالم وجود دنیا سے آخرت تک ایک ہی نظام کے تحت ہے جس کے اجزاء باہم مربوط اور منسلک ہیں، اس کے ارکان قوی ہیں اور ایک دوسرے کی اصلاح اور تکمیل میں مصروف ہیں۔

کائنات کی جملہ موجودات اور ان کے اثرات درحقیقت اللّٰہ تعالیٰ کی نعمتیں،

عنایتیں اور نوازشیں ہیں اسی لیے وہ بار بار مخلوقات سے عتابانہ انداز میں یہ دریافت کرتا ہے: {فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ} (اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)۔

اس سورہ میں اکتیس بار اس آیت کی تکرار ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے اس سورہ کا آغاز اللّٰہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے ہوا ہے جس کا تعلق مومن وکافر اور دنیا وآخرت دونوں سے ہے اور سورہ کا اختتام {تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ} کے توصیفی کلمات پر ہوا ہے۔

اس سورہ میں مکی یا مدنی ہونے کے دونوں احتمالات پائے جاتے ہیں۔ اگر چہ سیاق آیت اس کے مکی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ قرآن مجید کا یہ واحد سورہ ہے جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بعد اللّٰہ کے نام الرَّحْمٰن سے شروع ہوتا ہے۔

مجمع البیان میں امام موسیٰؑ بن جعفرؑ اپنے آباء واجداد سے اور وہ نبی اکرم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہر شے کے لیے زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت سورۂ رحمن ہے۔

سیوطی نے دُرّ منثور میں اسی روایت کو بیہقی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''قرآن کی زینت، سورۂ رحمن ہے۔''

{اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ}

رحمن نے قرآن کی تعلیم دی

سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کیا جاچکا ہے کہ الرحمن مبالغہ کا صیغہ ہے جو کثرت رحمت پر دلالت کرتا ہے اور رحمت وسیلۂ نعمت ہے۔ اسی لیے مناسب تھا کہ ایسا لفظ لایا جائے جو دنیوی نعمتوں میں مومن وکافر دونوں پر محیط ہو اور اُخروی نعمتوں میں صرف مومن کے لیے مخصوص ہو۔ اسی عموم کے سبب سورہ کا آغاز لفظ {اَلرَّحْمٰنُ} سے ہوا ہے۔

کیوں کہ سورے میں ان دنیوی اور اخروی نعمتوں کا ذکر ہے جن سے جنوں اور انسانوں کا جہان مُنظّم ہوتا ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ''رحمن'' راحم اور رحیم کے برعکس اللّٰہ تعالیٰ کا مخصوص نام ہے جو غیر اللّٰہ کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا۔

{عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ} قرآن کی تعلیم دی۔

اس جملہ سے اللّٰہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار کا آغاز ہوتا ہے۔ چوں کہ قرآن قدر ومنزلت اور رفعت ومرتبت میں اللّٰہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، قرآن اللّٰہ کا ایسا کلام ہے جو صراط مستقیم کی ہدایت اور راہ سعادت کی وضاحت کرتا ہے۔ وہ ہر آرزومند کی آرزو اور ہر سائل کا مقصود ومنتہیٰ ہے اسی لیے اس کا ذکر تمام نعمتوں سے پہلے کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ جنوں اور انسانوں کی تخلیق سے بھی پہلے کیوں کہ قرآن ان ہی کی تعلیم کے لیے نازل ہوا ہے۔

اس آیت میں {عَلَّمَ} کا پہلا مفعول جو صرف انسان یا انسان اور جن دونوں ہیں اسے حذف کردیا گیا ہے یعنی {عَلَّمَ الْاِنْسَانَ الْقُرْاٰنَ} انسان کو قرآن کی تعلیم دی یا {عَلَّمَ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ الْقُرْاٰنَ} انسان اور جنوں کو قرآن سکھایا۔

دوسرے احتمال کی جانب مفسرین نے توجہ مبذول نہیں کی حال آں کہ اس آیت میں دونوں احتمالات پائے جاتے ہیں، اس لیے کہ سورہ میں بار بار جنوں اور انسانوں کا ذکر ہوا ہے اگر {عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ} میں دونوں کا تذکرہ شامل نہ کیا گیا تو بات نامکمل رہ جائے گی۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جو مفعول محذوف ہے وہ ''محمد'' یا ''جبرئیل'' ہیں۔ لیکن سیاق کے اعتبار سے پہلا قول ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

{خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ}

اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

اس آیت میں خلقت انسان کا ذکر ہے اور اس کے بعد کی آیت میں انسانی تخلیق کی خصوصیت بیان کی گئی ہے: {خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ} اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

انسان اللہ تعالیٰ کی عجیب ترین مخلوق ہے یا تمام مخلوقات میں سب سے عجیب تر ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی اگر ہم انسان کا تقابل دوسری مخلوقات سے کریں اور اس کے تکمیلی طریقہ پر غور کریں جو اس کے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت کے لیے اُسے عطا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے {لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ} (سورۂ التین، ۴۔۶) ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر ہم نے اسے پست ترین حالت کی طرف لوٹا دیا، مگر جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

{عَلَّمَهُ الْبَيَانَ} اسے بولنا سکھایا۔

بیان کے معنی ہیں کسی چیز سے پردہ ہٹانا اور اس سے مراد وہ گفتگو ہے جو مافی الضمیر کو ظاہر کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور انسان کو اس کا عطا کرنا اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے۔ کلام پھیپھڑے، سانس کی نالی اور حلق کی مدد سے محض آوازیں ایجاد کرنے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی کلام نام ہے حلق سے نکلنے والی اس صوتی تنوّع کا جو فضائے دہن کے مختلف مخارج سے برآمد ہوتی ہے۔

بلکہ جو آوازیں مختلف مخارج کے سہارے فضائے دہن سے باہر نکلتی ہیں جنھیں ہم حرف سے تعبیر کرتے ہیں وہ درحقیقت خدائے واحد کی جانب سے انسان کے لیے ایک باطنی الہام ہے۔ مختلف حروف سے مرکب ہونے والے الفاظ کسی خاص مفہوم کی جانب

ایک علامتی اشارہ ہیں، وہ الفاظ ان مفاہیم کی تصویرکشی کرتے ہیں، سامع کا ذہن جن تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر تھا۔ اس کے ذریعہ اشیاء کا ادراک ہوتا ہے اور اس طرح عالم شہود کی ہر کیفیت خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، موجود ہو یا معدوم، اس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے اُن سب کو پردۂ سیمیں پر لایا جاسکتا ہے۔ پھر انسان اپنی فکر کے ذریعہ ان غیر محسوس معانی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جہاں پر محسوسات کا گذر نہیں ہے۔ یہ تمام معانی و مفاہیم سامع کے حضور مجسم ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

اگر کلام ایجاد نہ ہوتا اور افہام و تفہیم کا دروازہ نہ کھلتا تو تہذیب انسانی کی تکمیل ممکن نہ ہوتی اور نہ ہی وہ مدارج ترقی کو طے کرنے کے قابل ہوتا۔ اگر کلام نہ ہوتا تو انسان اور بے زبان جانور دونوں کی زندگی میں یکساں جمود ورکود ہوتا۔

تخلیقی اعتبار سے زبانوں کا جدا جدا اور مختلف ہونا اس بات کی قوی ترین دلیل ہے کہ بیان کی جانب انسان کی ہدایت خدائی الہام کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔

جس طرح اقوام و ملل اور مختلف قبائل کی روحانی خصوصیات اور اخلاقی کیفیات ان کے طبعی ماحول کے سبب جہاں پر وہ زندگی بسر کرتے ہیں مختلف ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: {وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ} (سورۂ روم۔۲۲)

(اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان و زمین کی تخلیق اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے)

اور اللہ کے قول {عَلَّمَهُ الْبَيَانَ} (اللہ نے بیان سکھایا) سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبانوں کو وضع کر کے انھیں انبیاء پر وحی کے ذریعہ نازل کر دیا یا الہام کے واسطے سے انسانوں کو سکھا دیا ہے۔ انسان اپنی اجتماعی زندگی میں فطری

اعتبار سے اشارات اور آوازوں سے افہام و تفہیم کا کام لیتا رہا ہے، اسی کا نام گفتگو اور کلام ہے جس کے بغیر انسانی تمدن تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا کام تخلیق و ایجاد ہے۔ الفاظ اور لغوی معانی کے درمیان رابطہ کوئی خارجی حقیقت نہیں بلکہ وضعی اور اعتباری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خلق کیا اور اسے ایسی فطرت عطا کی جو اسے مَدَنِیّت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب زبان وضع ہوئی تو الفاظ کو معانی کی علامت قرار دیا گیا یعنی سامع لفظ سنتے ہی معنی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پھر تحریر کو معرض وجود میں لانے کے لیے مخصوص شکلیں وضع کی گئیں جنھیں الفاظ کے لیے بطور علامت قرار دیا گیا۔ پس تحریر مقصد کلام کی تکمیل ہے اور وہ کلام کو اسی طرح مجسم کر دیتی ہے جس طرح کلام معانی کو مجسم کر دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے ''بیان'' ایک عظیم نعمت الٰہی اور بہترین عطیّہ خداوندی ہے جو انسانی موقفِ کا تحفظ کرتا ہے اور ہر چیز کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

یہ ظاہری طور سے سمجھ میں آنے والی باتیں تھیں جو دونوں آیتوں میں بیان کی گئیں۔ لیکن مفسرین نے ان آیتوں کے مفہوم سے متعلق بہت سے اقوال پیش کیے ہیں:

۱۔ کہا گیا ہے کہ ''انسان'' سے مراد حضرت آدمؑ ہیں اور ''بیان'' وہ اسماء ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں تعلیم دیے تھے۔

۲۔ کہا گیا کہ ''انسان'' سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ''بیان'' قرآن ہے، یا اس سے مراد مومنین کو قرآن کی تعلیم دینا ہے۔

۳۔ کہا گیا کہ ''بیان'' سے مراد خیر و شر ہے جنھیں انسانوں کو بتلا دیا گیا ہے۔

۴۔ کہا گیا کہ اس سے مراد ہدایت اور گمراہی کا راستہ ہے۔

نیز اس قسم کے بہت سے بعید از فہم اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

{اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ}

سورج اور چاند ایک مقررہ حساب کے پابند ہیں

{حُسۡبَانٍ} مصدر ہے بمعنی حساب۔ شمس مبتدا، قمر معطوف علیہ {بِحُسۡبَانٍ} اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ اللہ کے قول {اَلرَّحۡمٰنُ} کی خبر بعد خبر ہے۔ یعنی عبارت اس طرح ہوگی:

{اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ یَجۡرِیَانِ بِحِسَابٍ مِّنۡہُ عَلٰی مَا قَدَّرَ لَھُمَا مِنۡ نَوۡعِ الۡجَرۡیِ}

(سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظام رفتار کے مطابق رواں دواں ہیں)

{وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ}

تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ یا پودے اور درخت سجدہ ریز ہیں۔

مفسرین نے کہا ہے کہ {نَجۡمُ} زمین سے اگنے والے ایسے پودے کو کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو۔ تنے دار کو {شَجَرُ} کہا جاتا ہے۔ یہ مفہوم عمدہ ہے اس کی تائید آیت میں نجم و شجر کے ایک ساتھ آنے سے ہوتی ہے۔

اگرچہ کبھی یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ ''نجم'' سے مراد ستارہ ہو کیوں کہ اس سے قبل آیت میں شمس و قمر کا ذکر ہوا ہے۔

نجم و شجر کا سجدہ ریز ہونا درحقیقت نشو و نما کے مقررہ نظام میں امر الٰہی کے سامنے سرنگوں ہونا ہے جیسا کہ بعض مفسرین بیان کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ دقیق بات یہ ہے کہ نجم و شجر زمین میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیتے ہیں تاکہ جن غذائی مواد کی انھیں ضرورت ہے وہ زمین سے حاصل کر لیں۔ اور سجدۂ ارض اظہار حاجت ہے اس مبدأ فیض سے جو ہر ایک کا حاجت روا ہے۔ وہ خدائے ذوالجلال ہے جو ان کی تربیت کر رہا ہے، اسی وجہ سے نجم و شجر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہیں۔

اعراب کی گفتگو:

{وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ} کا عطف سابقہ جملے پر ہے۔یعنی مفہوم یہ ہوگا کہ سورج اور چاند مقررہ رفتار سے رواں دواں ہیں اور نجم وشجر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہیں۔

تفسیر کشاف میں زمخشری نے بیان کیا ہے کہ اگر تم یہ کہو کہ {الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ} سے {يَسْجُدَانِ} تک دونوں جملے {الرَّحْمٰنُ} سے کس طرح متصل ہوتے ہیں جب کہ درمیان میں ''واؤ'' عاطفہ موجود نہیں ہے۔تو میں یہ کہوں گا کہ وصل لفظی نہ بھی ہوتو کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ ان دونوں جملوں میں اتصال معنوی تو موجود ہے اس لیے کہ جب یہ علم ہو چکا ہے کہ شمس وقمر کا حساب اسی کا مقرر کردہ ہے تو پھر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سجدہ بھی اسی کے لیے ہے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ اٹھایا ہے کہ آیات سابقہ {خَلَقَ الْاِنْسَانَ} {عَلَّمَهُ الْبَيَانَ} {الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ} کو ''واو عاطفہ'' کے ذریعہ کیوں متصل نہیں کیا گیا تو خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ یہ جملے انگشت شماری کے لیے الگ الگ رکھے گئے ہیں تا کہ ہر ایک جملہ ان لوگوں کی زجر وتوبیخ کے لیے مستقل حیثیت کا مالک ہو جو خداوند عالم کی نعمتوں کے منکر ہیں جس طرح تم اگر کسی ناشکرے کو نعمتوں کے بارے میں جتلانا چاہتے ہو تو یہ کہتے ہو نمبر ایک تم محتاج تھے فلاں شخص نے تم کو غنی کر دیا۔نمبر دو اس نے ذلت کے بعد تمھیں عزت بخشی۔نمبر تین تم بے کس اور بے بس تھے تمھیں صاحب حیثیت بنا دیا۔نمبر چار تمھارے ساتھ ایسا سلوک کیا جو کسی شخص نے بھی کسی دوسرے کے ساتھ آج تک نہیں کیا۔تم پھر بھی اس کے احسان کا انکار کرتے ہو؟

اللہ تعالی نے اس سرزنش کے بعد مناسبت وموزونیت کے اعتبار سے اپنے کلام

کو اسی نہج پر لوٹا دیا جو تقاضائے وصل تھا یعنی {وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ} اور {وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا} کو ''واؤ'' عاطفہ کے ذریعہ مربوط کر دیا۔

{وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ}

اور آسمان کو بلندی عطا کی اور میزان قائم کردی۔

اگر {سَمَاءَ} سے مراد جہت کی بلندی ہے تو {رَفَعَهَا} کا مفہوم یہ ہوگا کہ آسمان کو تخلیقی اعتبار سے بلند و بالا بنایا ہے نہ یہ کہ تخلیق کے بعد اس کو رفعت عطا کی ہے۔

اور اگر اس سے مراد اجرام سماوی ہیں جنھیں بلندی عطا کی گئی ہے تو مراد یہ ہے کہ انھیں زمین کے مقابلے میں رفعت بخشی ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

{اَوَلَمْ يَرَى الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا} (سورۂ انبیاء، آیت ۳۰)

(کیا ان کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ زمین وآسمان آپس میں جڑے ہوئے تھے ہم نے ان کو الگ کیا ہے!)

آسمان کی بلندی کو بہر طور حسی بلندی تسلیم کرنا ہوگا۔

اور اگر اس سے مراد منازل ملائکہ مقربین یا وہ مقامات ہیں جہاں سے امر الٰہی کا نزول اور وحی خداوندی کا صدور ہوتا ہے تو اس صورت میں رفعت معنوی مراد ہوگی۔ یا اس سے دونوں طرح کی رفعتیں مراد لی جاسکتی ہیں، خواہ وہ حسی ہوں یا معنوی۔

{وَوَضَعَ الْمِيزَانَ} اور میزان قائم کردی۔

میزان سے مراد تولنے کا آلہ ہے۔خواہ اس سے عقیدہ کا وزن کیا جائے یا قول و فعل کو تولا جائے۔اس کا ایک مصداق ترازو ہے جس سے اشیاء کو تولا جاتا ہے۔ارشاد رب العزت ہے: {لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ

وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ} (سورۂ حدید۔۵۷)

(بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں)۔

بظاہر اس کا مفہوم یہ ہے جس کے ذریعے حق و باطل، سچ اور جھوٹ، عدل وظلم، فضیلت و رذیلت میں تمیز کی جائے۔ یہی شان رسالت ہے اور اسی مقصد کے لیے وہ میزان لے کر آئے تھے۔

اور کہا گیا ہے کہ ''میزان'' سے مراد ''عدل'' ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان عدل کو اس لیے رکھ دیا ہے کہ تم اس کے ذریعہ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کر کے مختلف چیزوں میں مساوات قائم کرسکو۔

اور ایک قول کے مطابق میزان سے مراد ترازو ہے جس سے کسی چیز کا وزن کیا جاتا ہے لیکن پہلا مفہوم زیادہ وسیع اور جامع ہے۔

{اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ}

تا کہ تم تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور انصاف کے ساتھ ٹھیک وزن کرو اور ڈنڈی نہ مارو۔

ظاہر میں میزان سے مراد ترازو ہے جس سے کسی چیز کا وزن کیا جاتا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ کا قول {اَلَّا تَطۡغَوۡا} اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ سابقہ آیت میں بھی میزان کے معنی ترازو کے ہیں اور یہاں میزان کی وضعیّت کا بیان ہے۔ یعنی ہم نے تمھارے درمیان میزان کو رکھ دیا ہے تا کہ تم تولنے میں عدل سے کام لو اور سرکشی نہ کرو۔

اگر میزان سے صرف حق یا عدل مراد لیا جائے تو گویا حکم کلی سے حکم جزئی کو اخذ کرنا ہوگا اور مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے تمھارے درمیان حق وعدل کو رکھ دیا ہے تا کہ تم

تول میں عدل سے کام لو اور سرکشی نہ کرو۔

اس آیت میں {اَنۡ} تفسیر یہ ہے اور {لَا تَطۡغَوۡا} نہی کا صیغہ ہے اور {اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ} صیغہ امر ہے، اور {قِسۡطِ} کے معنی ہیں عدل اور {لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ} دوسرا صیغۂ نہی ہے جو {لَا تَطۡغَوۡا} کی وضاحت کے لایا گیا ہے، اور تاکیدی حکم ہے اور اِخسار فی المیزان تول میں کمی یا زیادتی کرنا ہے جس کا نقصان خریدار یا دکاندار کو ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے {اَلَّا تَطۡغَوۡا} {اَنۡ لَا تَطۡغَوۡا} میں حرف {أَنۡ} کو ناصبہ اور {لَا} کو نافیہ قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ دراصل {لِاَنۡ لَّا تَطۡغَوۡا} ہے ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ جملۂ انشائیہ کا عطف جملۂ خبریہ پر ہو۔

{وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ}

اس نے زمین کو تمام مخلوقات کے لیے بنایا ہے۔

انام کے معنی ہیں انسان، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد انسان اور جنات دونوں ہیں۔ کچھ مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ہر وہ مخلوق ہے جو زمین پر چلتی ہے۔

اور ''ارض'' کے ساتھ لفظ ''وضع'' استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں پست اور ''سماء'' کے ساتھ ''رفع'' آیا ہے جس کے معنی ہیں بلند۔ اس تقابل سے جملہ کا لطف دوبالا ہوگیا ہے۔

{فِیۡهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ}

اس میں ہر طرح کے میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں

لفظ {فَاكِهَةٌ} سے سوائے کھجور کے تمام پھل اور میوے مراد ہیں۔ {اَكۡمَامِ}

{ کُمٌ } یا { کِمٌّ } کی جمع ہے۔جس کے معنی ہیں کھجور کا غلاف جسے شگوفہ کہتے ہیں اور قمیص کی آستین کو بھی ''کم'' کہتے ہیں۔

{وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ}

اور طرح طرح کے اناج ہیں جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے اور دانہ بھی۔

{حَبٌّ} سے مراد ایسا دانہ ہے جو غذا کے کام آتا ہے جیسے گیہوں، جو اور چاول وغیرہ۔اور {عَصْفِ} کے معنی ہیں چھلکا جو دانے کے اوپر غلاف کی مانند ہوتا ہے۔اور بعض مفسرین کے نزدیک {عَصْف} سے مراد برگِ خشک ہے یعنی بھوسا۔ اور {رَيْحَان} سے مراد خوشبودار گھاس ہے۔

{فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ}

پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟!

{آلَاءِ} الٰی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نعمت۔

اس آیت میں ثقلین یعنی جن وانس دونوں سے عمومی خطاب ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بعد کی آیات میں صریحاً دونوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۳۱ میں ہے {سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ}

آیت نمبر ۳۳ میں ہے {يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ}

آیت نمبر ۳۵ میں ہے {عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ}

لہٰذا یہ قول درخور اعتنا نہیں ہے کہ اس آیت میں مرد وعورت سے خطاب ہے یا ایک ہی سے دو مرتبہ خطاب کیا گیا ہے۔جیسے سپاہی سے کہا جائے {إِضْرِبْ عُنُقَهُ، إِضْرِبْ عُنُقَهُ} یعنی تم اس کی گردن اڑا دو،تم اس کی گردن اڑا دو۔

چونکہ خطاب کا رخ عَالَمِ جن وانس دونوں سے تھا اس لیے مناسب جانا کہ نعمتوں کو گنوانے کے ساتھ ساتھ روز قیامت کی سختیوں اور مجرمین کے انجام سے بھی باخبر کیا جائے اس لیے کہ نظام کائنات میں بدکاروں اور ظالموں کو ان کے عمل وکردار کی سزا نظام عالَم کی فلاح کے لیے از حد ضروری ہے اور اس میں ہر ایک کا فائدہ مضمر ہے۔اگر ہم ان سختیوں اور تکلیفوں کو پوری دنیا کے مقابلے میں رکھیں گے تو یہ نعمت محسوس ہوں گی۔انھیں ایک مخصوص گروہ کے مقابلے میں رکھیں گے جو مجرمین کا ہے تو وہ نقمت (سزا) ہوں گی۔

یہ قوانین اور طریقے انسانی اجتماع میں جاری وساری ہیں۔باغیوں اور فسادیوں پر سختی کرنا جس پر اجتماعی زندگی کا دارومدار ہے اس سے صرف نیکوکاروں کا ہی فائدہ نہیں بلکہ اس میں سب کا بھلا ہوتا ہے جس طرح نیکوکاروں کی تعریف وتوصیف اور نیکی کا اجر دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔

جہنم کا عذاب وعقاب جہنم والوں کے لیے اور جنت کی کرامت وثواب جنتیوں کے لیے ہیں اور یہ سب جنوں اور انسانوں کے لیے نعمتیں اور عطائے ربانی ہیں۔جس طرح سورج، چاند اور وہ آسمان جسے رفعت بخشی گئی ہے اور وہ زمین جسے پستی میں رکھا گیا ہے اور شگوفے اور درخت وغیرہ دنیا والوں کے لیے نعمتیں اور اللّٰہ کی عنایتیں ہیں۔

آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح خداوند عالم کی نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں ورنہ زجر وتوبیخ کے موقع پر دونوں کا ایک ساتھ ذکر نہ ہوتا۔

{خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ}

اس نے انسانوں کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

{صَلْصَالٍ} خشک مٹی جسے اگر پامال کیا جائے تو اس میں سے آواز آئے۔

{فَخَّارٍ} کے معنی ہیں ٹھیکری

انسان سے مراد ہے نوع بشریت۔

{صَلْصَالٍ} سے تخلیق کا یہ مفہوم ہے کہ خلقت بشر بالآخر اسی پر منتہی ہوتی ہے۔
بعض مفسرین کے نزدیک انسان سے مراد آدمؑ ہیں۔

{وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ}

اور جنات کو آگ کے شعلوں سے خلق فرمایا ہے

{مَارِجٍ} آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلہ کو کہتے ہیں اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد ایسا شعلہ ہے جس میں سیاہی کی آمیزش ہو۔

{جَانَّ} سے مراد نوع جنات ہے، جنھیں آگ کی مخلوق کہا گیا ہے اس لیے کہ ان کی تخلیق آگ پر منتہی ہوتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جان سے مراد جنوں کا باپ ہے (جس سے نسل جن کا آغاز ہوا ہے)

{رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ}

وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا پروردگار ہے

{مَشْرِقَيْنِ} کے معنی ہیں دو مشرق یعنی موسم گرما اور موسم سرما کا مشرق اور اسی سے چاروں فصلیں وجود میں آتی ہیں اور رزق کا انتظام ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ {مَشْرِقَيْنِ} سے مراد سورج اور چاند کے طلوع ہونے کی جگہ ہے۔ اور {مَغْرِبَيْنِ} سے مراد دونوں کے غروب ہونے کی جگہ ہے۔

{مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ}

اس نے دو دریا بہائے ہیں جو آپس میں مل جاتے ہیں، پھر بھی ان کے درمیان ایک حد فاصل ہوتی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔

{مَرَجَ} کے معنی ہیں مخلوط کرنا، چھوڑ دینا اور روانہ کرنا۔ پہلا مفہوم زیادہ

مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ بحرین سے مراد دو سمندر یعنی آب شیریں اور آب شور ہے۔

ارشاد باری ہے:

{وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ} (سورۂ فاطر، ۱۲)

(دو سمندر ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ایک کا پانی میٹھا اور خوش گوار ہے اور ایک کا کھارا اور کڑوا ہے)۔

اور قابل قبول تفسیر جو ان آیات کی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بحرین سے مراد دو مخصوص سمندر نہیں بلکہ جنس سمندر مراد ہے۔ آب شور (نمکین پانی) جو زمین کے ایک تہائی حصے پر محیط ہے جسے ہم بحر یا بحیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور آب شیریں (میٹھا پانی) جو زمین میں ذخیرہ اندوز ہے جس سے چشمے ابلتے اور دریا بہتے ہیں اور وہ دریائے شور میں ضم ہو جاتے ہیں اور ان کا یہ ملاپ جاری وساری ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک حد فاصل ہے جو ان دونوں کو ملنے سے روکے ہوئے ہے۔ یہ رکاوٹ پانی کے زمینی مخزن اور منبع میں فی نفسہ موجود ہے۔ ورنہ اگر آب شور، آب شیریں پر غلبہ حاصل کر کے اسے آب شور میں بدل دیتا تو حیات معطل ہو جاتی۔ اور اگر آب شیریں جوش مار کر آب شور کو آب شیریں بنا دیتا تو آب شور کے فوائد سے دنیا محروم ہو جاتی، جیسے ہوا کی تطہیر وغیرہ۔

آب شور سے میٹھے پانی کے ذخیروں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ آب شور سے ابر بلند ہوتا ہے اور بارش کی صورت میں میٹھے پانی کا ذخیرہ بڑھتا رہتا ہے اور آب شیریں دریاؤں کی صورت میں سمندر میں گر کر آب شور میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

پس دونوں آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے دونوں دریاؤں کو مخلوط کر دیا

ہے اوران کا ملاپ دائمی ہے۔درمیان میں ایسا حاجز (حد فاصل) ہے جو ان دونوں کے فنا ہونے میں رکاوٹ ہے اور دونوں اپنی الگ الگ حیثیت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ان کی شیرینی اور نمکینی ختم ہوجاتی تو حیات و بقا کا نظام مختل ہوجاتا۔**وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ**

{یَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ}

ان سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

یعنی دونوں دریاؤں آب شور اور آب شیریں سے لولو (موتی) اور مرجان (مونگا) نکلتے ہیں۔یہ وہ فوائد ہیں جو ان دریاؤں سے انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ سورۂ فاطر کی آیت {وَمَا يَسۡتَوِي الۡبَحۡرَانِ} کے ذیل میں ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔

{وَلَهُ الۡجَوَارِ الۡمُنشَآتُ فِي الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ}

اور یہ جہاز اسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں۔

{الۡجَوَار} جاریہ کی جمع ہے مراد ہے سفینہ۔

{مُنشَآتُ} انشاء کا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں کسی شیء کو پیدا کرنا اور اس کی تربیت کرنا۔

{اَعۡلَام} علم کی جمع ہے بمعنی پہاڑ۔

سفینہ کو اللّٰہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت بتایا ہے جب کہ اسے انسان نے بنایا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ لوہا، لکڑی اور وہ تمام اجزاء جن سے کشتی تیار ہوئی ہے اور خود بنانے والے انسان کا شعور، فکر و ارادہ سب اللّٰہ کی تخلیق ہے تو اس سے برآمد ہونے والا نتیجہ بھی اللّٰہ کی تخلیق قرار پائے گا۔

اللّٰہ تعالیٰ نے اسے انسان کے لیے نعمت قرار دیا ہے۔اللّٰہ ہی نے انسان کو یہ سکھایا کہ کشتی بنائے اور یہ بتایا کہ اس کے ذریعہ انسانوں کو کون کون سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

{كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ وَيَبۡقَىٰ وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَامِ}

ہر وہ مخلوق جو روئے زمین پر بستی ہے اس کے لیے فنا ہے، صرف تمھارے رب کی ذات کے لیے بقا ہے جو صاحب جلال واکرام ہے۔

{عَلَيۡهَا} میں "ھا" کی ضمیر زمین کے لیے ہے یعنی زمین پر بسنے والے تمام صاحبان شعور و عقل عنقریب فنا ہو جائیں گے۔یعنی یہ آیت جن وانس کے زوال وفنا کا پتہ دیتی ہے۔آیت میں لفظ {مَنۡ} آیا ہے جو ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لفظ "مَا" نہیں لایا گیا جس کا اطلاق دوسری مخلوقات پر ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیوی اور اخروی نعمتوں کا تعلق صرف جنوں اور انسانوں سے ہے اور انھی دونوں کے بارے میں گفتگو کی جارہی ہے اس لیے لفظ {مَنۡ} لایا گیا۔

اور اللّٰہ کا قول {فَانٍ} اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ اس فنا کا ظہور مستقبل میں ہوگا اور سیاق آیت بھی مستقبل کا پتہ دے رہا ہے۔

{كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ} (جو بھی روئے زمین پر ہے وہ فنا ہو جائے گا) یہ درحقیقت اشارہ ہے دنیوی زندگی کے خاتمے اور جن وانس کے فنا ہوجانے پر اور دوسری زندگی کے آغاز پر اور یہ دونوں باتیں یعنی ہر ذی عقل کا فنا ہوجانا اور ان کے لیے بطور جزائی حیات کا منصہ شہود پر آنا نعمت خداوندی اور لطف الٰہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اس لیے کہ دنیوی زندگی مقدمہ ہے حیاتِ اُخروی کا، اور مقدمہ سے غرض وغایت کی جانب منتقل ہونا بھی ایک نعمت ہے اور اسی سے یہ اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے کہ فنا میں کون سی نعمت پوشیدہ ہے جو اسے نعمت ولطف میں شمار کیا جائے۔تو اس کا جواب شافی یہ ہے کہ اس

فنا کی حقیقت دنیا سے منتقل ہو کر اللّٰہ کی طرف رجوع کرنا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ یہ فنا، فنائے مطلق نہیں ہے۔

{وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ} صرف تمھارے رب کی ذات کے لیے بقا ہے۔

{وَجْهُ} کے معنی ہیں جس سے اس کے غیر کا استقبال کیا جائے اور اس کے ذریعہ اس کے غیر کا قصد کیا جائے اور جب یہ لفظ اللّٰہ کے لیے بولا جائے گا تو اس کی صفات کریمہ مراد ہوں گی جو اللّٰہ اور اس کی مخلوقات کے مابین واسطہ ہیں۔ جن کے سبب مخلوقات پر خلق وتدبیر جیسی برکتیں نازل ہوئی ہیں مثلاً علم، قدرت، سماعت، بصارت، رحمت، مغفرت اور رزق وغیرہ۔ اس بارے میں مفصّل گفتگو سورۂ اعراف میں ہو چکی ہے کہ اسماء وصفاتِ الٰہی اللّٰہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔

{ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} جو صاحب جلال واکرام ہے۔

{جَلَال} میں اعتلا یعنی بلند ہونے اور غالب ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس میں غیر کے مقابل میں ترفع (بلندی) کا مفہوم بھی موجود ہے۔ اس میں وہ صفات آتی ہیں جن میں منع ودفع ہو جیسے بلند ہونا، بلند کرنا بڑائی، کبریائی، تکبر، چھا جانا، قوی ہونا اور غالب آجانا وغیرہ۔

{وَالْإِكْرَام} کے ذیل میں وہ باقی ماندہ صفتیں آتی ہیں جن میں بہا (شان و شوکت) اور حسن وخوبی ہو جو غیر کو اپنی طرف کھینچ لے اور اسے فریفتہ کردے یعنی ان میں جذب وکشش کی کیفیت ہو جیسے علم، قدرت، حیات، رحمت جود وکرم، جمال اور حسن وغیرہ۔ ان صفات کو صفات جمالیہ کہا جاتا ہے جس طرح قسم اول صفات جلالیہ کے نام سے موسوم ہیں اور اسماء کو بھی ان کی صفات جلالیہ وجمالیہ کی مناسبت سے اسمائے جلالی یا اسمائے جمالی کہا جاتا ہے۔

{ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ایسا جامع اسم ہے جو

جملہ اسمائے جلال اور اسمائے جمال کے مفہوم کا مظہر ہے اور فی الحقیقت اس سے مراد ذات خداوندی ہے جیسا کہ اس سورہ کی آخری آیت میں بیان کیا ہے:

{تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ}

(تمھارے پروردگار کا نام بڑا بابرکت ہے جو صاحب جلال بھی ہے اور صاحب اکرام بھی)۔

لیکن آیت {وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} میں اسمائے حسنیٰ بیان کرنے کی کوئی خاص وجہ ہے۔ یہ جملہ بطور صفت نہیں آیا بلکہ اللّٰہ تعالیٰ کی مدح وثنا کے لیے آیا ہے یعنی اس میں لفظ هُوَ پوشیدہ ہے اور جملہ یوں ہے {هُوَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} یعنی وہ صاحب جلال واکرام ہے۔

یا {وَجْهُ} سے مراد اس کی بزرگ صفات اور اسم مقدس ہے جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اگر ایک نام کے بعد دوسرا نام لایا جائے تو یہ نام ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اور اگر {وَجْهُ} سے کسی شے کا غیر مراد لیا جائے اور وہ غیر کسی کا نام ہو اور یہ بات مُسلّم ہے کہ اسم کی بقا مسمّی کی بقا سے وابستہ ہے تو اس صورت میں جملہ کا مفہوم یہ ہوگا:

”اور تمھارا رب عزّ اسمہ اپنے جلال واکرام کے ساتھ باقی رہے گا جب کہ دوسروں کی فنا کا اس پر اثر نہ ہوگا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تغیّر رونما ہوگا۔“

اور اگر وَجہ خدا سے اس کا غیر مراد لیا جائے اور اس کا مصداق ہر وہ شے ہو جو اللّٰہ کی طرف منسوب ہے تو اس صورت میں اس کا مقصود وہی ہوگا جس کی طرف توجہ مبذول ہو۔ جیسے اس کے انبیاء، اولیاء، دین، ثواب، قرب اور اسی قبیل کے دوسرے مفاہیم تو اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اہل دنیا کی فنا کے بعد وہ باقی رہے گا جو اللّٰہ کے پاس ہے اور اس کی جانب سے ہے، جیسے اقسام جزا وثواب اور قرب خداوندی۔

ارشاد باری ہے: {مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ} (سورۂ نحل، ۹۶)

''جو تمھارے پاس ہے وہ فنا ہوجائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔''

اور {كُلُّ شَيۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ} (سورۂ قصص۔۸۸) کی تفسیر میں ہم نے جو مطالب بیان کیے ہیں وہ یہاں کے لیے بھی موزوں ہیں۔

{يَسۡاَلُهٗ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِيۡ شَاۡنٍ}

زمین و آسمان میں بسنے والی ہر مخلوق اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر رہی ہے، ہر آن اس کی نئی شان ہے۔

ان کا یہ سوال کرنا ان کے احتیاج کا مظہر ہے۔ وہ لوگ ہر جہت سے اس کے محتاج ہیں، اپنے وجود میں اس کے محتاج ہیں اور اسی کے دامن استغناء سے متمسّک ہیں۔ ارشاد باری ہے:

{اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِيُّ} (سورۂ فاطر۔۱۵)

(تم سب اللہ کے محتاج ہو اور وہ اللہ ہر ایک سے مستغنی ہے)

اور اسی طرح کے سوال کا ذکر اس آیت میں ہے:

{وَآتَاكُمۡ مِنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ} (سورۂ ابراہیم۔۳۴)

(اور تم نے جو بھی مانگا اللہ نے اس میں سے کچھ نہ کچھ تمھیں عطا کر دیا)

اور اللہ کے قول {كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِيۡ شَاۡنٍ} میں لفظ {شَاۡنٍ} کو نکرہ اس لیے لایا گیا تا کہ وہ الگ الگ اور جدا جدا حالات پر دلالت کرے، اس طرح آیت کے معنی یہ ہوں گے۔

''اللہ تعالی ہر روز ایک نئی شان کا مالک ہے۔ شانِ لاحق، شانِ سابق سے جدا

ہے۔ وہ اپنے کام کو دہراتا نہیں ہے اور اس کی ہر شان کسی بھی جہت سے دوسری شان کے مماثل اور مانند نہیں ہے وہ بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونے کے چیزیں اختراع اور ایجاد کرتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

{بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ} (سورۂ بقرہ۔۱۱۷)

(اس نے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر کسی مثال کے خلق فرمایا ہے)

اور {كُلَّ يَوۡمٍ} اس لیے کہا گیا تا کہ وہ مقام فعل میں ہر شے کا احاطہ کرلے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالی ہر زمانے میں ہے لیکن کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں اور ہر جگہ موجود ہے لیکن کسی مکان میں نہیں رہتا اور ہر شے کے ساتھ ہے لیکن کسی بھی چیز کے نزدیک نہیں۔

روایات کی بحث:

کتاب کافی میں محمد بن منکدر نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے انسانوں کے سامنے جب سورۂ رحمن کی تلاوت کی تو وہ سب کے سب خاموش رہے اور کچھ بھی نہ کہا تو رسول اکرمؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں نے جب جنوں کے سامنے {فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} کی تلاوت کی تو انھوں نے بہت خوب صورت اور عمدہ جواب دیا تھا:

{لَا وَلَا بِشَيۡءٍ مِّنۡ آلَاءِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ} (نہیں نہیں ہم اپنے رب کی کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرتے)۔

اَقُوۡلُ (میں کہتا ہوں) اس مفہوم کی روایت بہت سے اصحاب جوامع کے حوالے سے تفسیر درمنثور میں موجود ہے اور اسے صحیح کا درجہ ملا ہے جسے روایت کیا ہے ابن عمر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

کتاب عیون اخبار الرضاؑ میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ شام کے رہنے والے کسی شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے جنوں کے باپ کا نام دریافت کیا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس کا نام شومان ہے جو آگ کے شعلے سے خلق ہوا تھا۔

کتاب احتجاج میں طبرسی نے {رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ} کے بارے میں حضرت علیؑ سے ایک روایت نقل کی ہے، آپؑ نے فرمایا: موسم سرما کا مشرق، موسم گرما کے مشرق سے جدا ہوتا ہے، کیا تمھیں سورج کے قرب و بعد سے اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا؟

اَقُوْلُ (میں کہتا ہوں) اس مفہوم کی روایت قمی نے بھی بیان کی ہے لیکن روایت کی سند ذکر نہیں کی اور حضرت علیؑ کے نام کی جگہ یہ لکھا کہ آنجناب نے فرمایا ہے۔

درمنثور میں ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی تخریج کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللّٰہ تعالی کے قول {مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ} سے مراد علیؑ و فاطمہؑ ہیں {بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ} سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور {يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ} سے مراد امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام ہیں۔

اَقُوْلُ (میں کہتا ہوں) کہ درمنثور میں اسی مفہوم کی روایت ابن مردویہ نے انس بن مالک سے بھی نقل کی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں سلمان فارسی، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری سے یہ روایت موجود ہے جو روایت باطنی کے ذیل میں آتی ہے۔

اور تفسیر قمی میں اللّٰہ تعالی کے قول {كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ} کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ {مَنْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ} جو کچھ بھی روئے زمین پر ہے۔

{وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ} وَجْهُ رَبِّكَ کا مطلب ہے {دِيْنُ رَبِّكَ} یعنی

تمھارے رب کا دین باقی رہے گا۔

امام علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا: "نَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ الَّذِيْ يُؤْتَى اللّٰهُ مِنْهُ" (ہم ہی وہ وجہ الٰہی ہیں جن کے ذریعہ سے اللّٰہ تک رسائی ہوسکتی ہے)

مناقب ابن شہر آشوب میں اللّٰہ تعالی کے قول {وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ} کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "نَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ" ہم وجہ اللّٰہ ہیں۔

اَقُوْلُ (میں کہتا ہوں) ان دونوں روایات کے مفہوم پر مشتمل اور بھی روایات موجود ہیں

ہم اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں {وَجْهُ} کی توجیہ بیان کر چکے ہیں کہ اس سے مراد دین اور امام دونوں ہیں۔

کتاب کافی میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں حضرت علی علیہ السلام کے خطبے کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَلَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ لِاَنَّهُ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ مِنْ اِحْدَاثِ بَدِيْعٍ لَمْ يَكُنْ"

(سب تعریفیں اس اللّٰہ کے لیے ہیں جس کے لیے موت نہیں ہے۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اس لیے کہ وہ نئی سے نئی چیزوں کو خلق فرما کر ہر روز نئی شان کا مالک ہے)

تفسیر قمی میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: "وہی جلاتا اور مارتا اور وہی بڑھاتا اور گھٹاتا ہے"۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ابودرداء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ {كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ} کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا: اس

کی شان یہ ہے کہ وہ گناہوں کی مغفرت کرتا ہے، پریشانیوں کو رفع کرتا ہے، کسی قوم کو عزّت و رفعت عطا کرتا ہے تو دوسروں کو ذلیل و پست کر دیتا ہے۔

تفسیر درمنثور میں بھی یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے اور اسی مفہوم کے مطابق ایک روایت ابن عمر سے ملتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: {كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَانٍ} کا مفہوم یہ ہے کہ وہ گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے اور پریشانیوں کو رفع کرتا ہے۔

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ آيَة مِنْ اِحْدٰى وَ ثَلٰثِيْنَ اِلٰى ثَمَانِيَةٍ وَسَبْعِيْنَ

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ
الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً
كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ
ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾
يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾ وَ
لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾

ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ
تَجْرِيٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ
زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا
مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ
وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ
الْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا
الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾
فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾
فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ
مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ
اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى
رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾
تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: (آیت ۳۱ سے آیت ۷۸ تک):

اے جن وانس ہم عنقریب تمھاری طرف متوجہ ہوں گے، پھر دیکھ لیں گے کہ تم

اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاتے ہو۔

اے گروہ جن وانس اگر تم زمین وآسمان کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو ذرا بھاگ کر دکھاؤ! تم ایسا نہیں کر سکتے اس کے لیے بڑی طاقت درکار ہے۔ پس اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟

بھاگنے کی کوشش کرو گے تو تم پر آگ کا شعلہ اور سیاہ دھواں چھوڑ دیا جائے گا جس کا تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔ اے جن وانس تم اُس وقت اپنے رب کی کن کن قدرتوں کا انکار کرو گے؟!

کیا حال ہوگا جب آسمان پھٹے گا اور چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا! اے جن وانس تم اس وقت اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟!

اس روز کسی انسان یا جن سے اس کے گناہوں کے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔ جرم کرنے والوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیا جائے گا اور انھیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس وقت کہا جائے گا یہی وہ جہنم ہے جسے مجرمین جھٹلایا کرتے تھے اسی جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان وہ چکر لگاتے رہیں گے اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن طاقتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اور جس کے دل میں عظمت خداوندی کا خوف ہوگا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن انعامات کا انکار کرو گے؟! ان دونوں جنتوں میں دو چشمے رواں ہیں۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن رحمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں جنتوں میں ہر پھل دو دو طرح کے

ہوں گے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کس کس کرم کو جھٹلاؤ گے۔

جنتی لوگ ایسے فرش پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے جن کے استر سبز دبیز ریشم کے ہوں گے اور باغوں کی ڈالیاں پھلوں سے جھکی ہوئی قریب تر ہوں گی۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔

ان نعمتوں میں سے پاک دامن عورتیں ہوں گی جنھیں ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہ ہوگا۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن عنایتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ایسی خوب صورت گویا مجسم یاقوت اور مرجان ہوں۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کے کس کس فضل کا انکار کرو گے۔

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟! پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دو جنتوں کے علاوہ مزید دو جنتیں ہوں گی۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کے کن کن انعامات کا انکار کرو گے۔

دونوں نہایت گہرے سرسبز شاداب ہوں گے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کے کن کن احسانات کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغات میں دو چشمے موج زن ہوں گے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کے کن کن نوازشات کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں بکثرت پھل نیز کھجور اور انار کے درخت بھی ہوں گے پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان نعمتوں کے درمیان خوب سیرت اور خوب صورت بیویاں ہوں گی۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن عنایتوں کا انکار کرو گے۔

ایسی حوریں جو خیموں میں بیٹھی ہیں ان سے پہلے انھیں نہ کسی انسان نے چھوا ہے اور نہ ہی کسی جن نے ہاتھ لگایا ہے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کے کس کس اکرام کو جھٹلاؤ گے۔

صاحبان جنت سبز قالینوں، نفیس و نادر مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ پس اے جن وانس تم اپنے رب کے کس کس فضل کا انکار کرو گے۔

مبارک ہے تمھارے رب کا نام جو باعظمت اور صاحبِ اِکرام ہے۔

تفسیر:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ۔۔۔۔۔ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

یہ سورۂ رحمٰن کی آیات کا دوسرا حصہ ہے جو ثقلین یعنی جنوں اور انسانوں کی نشاۃِ ثانیہ (دوسری زندگی) کے بارے میں بحث کرتی ہیں۔ اور یہ زندگی اللہ کی طرف واپسی اور جزائے اعمال سے تعلق رکھتی ہے اور اس حیات ثانویہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے جس طرح سابقہ آیات کے پہلے حصے میں تخلیق اول کے بارے میں بیان کیا گیا تھا اور اسے بھی نعمت خداوندی سے تعبیر کیا گیا تھا۔

{سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ} اے جن وانس ہم عنقریب تمھاری طرف متوجہ ہوں گے۔

{فَرَغَ فُلَانٌ} یعنی فلاں شخص فارغ ہوگیا۔ گویا وہ پہلے کسی کام میں مشغول تھا جسے اس نے بعد میں چھوڑ دیا۔ یعنی اس کام کی اہمیت کی وجہ سے پہلے کام کو ترک کر دیا۔

{سَنَفْرُغُ لَكُمْ} کے معنی ہیں کہ ہم پہلی تخلیق کی بساط لپیٹ دیں گے اور تمھارے کام میں مصروف ہوجائیں گے۔ اور بعد میں آنے والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ ان کے بارے میں مشغول ہونے سے مراد انھیں دوبارہ زندہ کیا جانا، ان کا حساب وکتاب لینا اور انھیں اعمال خیر کی جزا اور اعمال شر کی سزا دینا ہے۔

جنوں اور انسانوں کے لیے فراغ دراصل دوسری زندگی کی تبدیلی سے کنایہ ہے اور جنوں اور انسانوں کے لیے فارغ ہونا {لَا يَشْغَلُهٗ شَاْنٌ عَنْ شَاْنٍ} کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ فراغ تبدیلی خلقت کا نگہبان ہے اور {لَا يَشْغَلُهٗ شَاْنٌ

عَنْ شَاْنٍ} اس بات کا نگراں ہے کہ قدرت خدا مطلق اور وسیع ہے۔

اسی طرح {كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ} بھی {لَا يَشْغَلُهٗ شَاْنٌ عَنْ شَاْنٍ} کے منافی نہیں ہے۔

{ثَقَلٰنِ} سے مراد جن وانس ہیں۔ {لَكُمْ} اور {اسْتَطَعْتُمْ} میں جمع کی ضمیر کا مرجع جنات اور انسان ہیں، اس لیے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اے گروہ جن وانس اگر تم زمین وآسمان کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو ذرا بھاگ کر دکھاؤ! تم ایسا نہیں کر سکتے اس کے لیے بڑی طاقت درکار ہے۔

{يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ}

اس آیت میں جن وانس سے جو خطاب کیا گیا ہے سیاق آیت کے مطابق وہ درحقیقت قیامت کے دن کا خطاب ہے اور یہ تعجیزی خطاب ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے جنو! اور انسانو! تم روز قیامت کوئی کام انجام نہیں دے سکتے ہو۔

استطاعت سے مراد قدرت ہے اور ''نفوذِ اقطار'' سے مراد فرار ہے۔ اَقْطَارِ، قُطْر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کنارہ۔

اس آیت میں لفظ جن کو اس لیے پہلے لایا گیا کہ وہ انسانوں سے تیز تر حرکت کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! اگر تم آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے راہِ فرار اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سلطنت سے باہر نکل جانے اور اس کے مؤاخذے سے بچ جانے پر قدرت رکھتے ہو تو بھاگو اور باہر نکل جاؤ۔

{لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ} تم ایسا نہیں کر سکتے اس کے لیے بڑی طاقت

درکار ہے۔

تم بغیر سُلطہ (غلبہ) کے فرار ہونے پر قدرت نہیں رکھتے اور سُلطہ تمھارے پاس نہیں ہے۔ سُلطان کے معنی ہیں قدرت وجودی۔ سلطان کے دوسرے معانی ہیں برہان (ثبوت، دلیل) یا مطلق حجت اور اقتدارِ حکومت۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت میں جس نفوذ کی نفی کی گئی ہے وہ نفوذِ علمی ہے یعنی انسان جب علم پر دسترس حاصل کرلے گا تو غلبۂ علمی سے آسمان وزمین کے کناروں سے نفوذ کرسکتا ہے اور یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ آیت کا سیاق اس مفہوم سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

{يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ} (بھاگنے کی کوشش کروگے) تو تم پر آگ کا شعلہ اور سیاہ دُھواں چھوڑ دیا جائے گا جس کا تم مقابلہ نہ کرسکوگے۔

{اَلشُّوَاظُ} کا مفہوم راغب اصفہانی کے مطابق ایسا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ مجمع البیان میں علامہ طبرسی نے اسے سبز رنگ کا بتایا ہے جو آگ سے علاحدہ نظر آتا ہے۔

{نُحَاسٌ} کے معنی ہیں دھواں لیکن راغب نے فرمایا کہ اس سے مراد ایسا شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور اس کا مفہوم واضح ہے۔

{فَلَا تَنْتَصِرَانِ} یہ کلمہ باب افتعال سے ہے جب اسے بصورت تثنیہ استعمال کیا جاتا ہے تو باب تفاعل کے معنی دیتا ہے یعنی دوطرفہ عمل۔ اس جملہ میں {تَنْتَصِرَانِ تَتَنَاصِرَانِ} کا مفہوم دے رہا ہے یعنی تم اس روز مصیبت کو دور کرنے اور تکلیف سے نجات دلانے میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرسکتے، اس لیے کہ اسباب کے اثرات زائل ہوجائیں گے اور آج کے دن امر خداوندی سے بچانے والا کوئی بھی

نہیں ہے۔

{فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ} جب آسمان پھٹے گا تو وہ لال چمڑے کی طرح گلابی ہوجائے گا۔

{وَرْدَةً} گلاب

{دِهَانِ} سرخ رنگ کا چمڑا

{فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْاَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ} اس روز کسی انسان یا جن سے اس کے گناہوں کے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ آیت اختتام سورہ تک اور اس کے بعد آنے والی تمام آیات حساب و کتاب، جزا وسزا کے متعلق گفتگو کرتی ہیں۔ وہ ان افراد کے حالات کی عکاسی کرتی ہیں جو مجرم اور مقام رب سے خائف ہیں اور جو چیزیں رب تک منتہی ہوتی ہیں۔

پھر آیت سرعتِ حساب کی وضاحت کرتی ہے۔ ارشادی باری ہے: {وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ} (سورۂ النور۔۳۹)

اور {يَوْمَئِذٍ} سے مراد روز قیامت ہے۔

اور منفی طریقۂ سوال جو سوال کرنے کا پسندیدہ انداز ہے وہ سورۂ صافات میں کیے گئے مثبت طریقۂ سوال: {وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ} (سورۂ صافات، ۲۴) ''انھیں ٹھہراؤ ہمیں ان سے کچھ پوچھنا ہے۔'' کی نفی نہیں کرتا اور نہ ہی اس طرز سوال سے سورۂ حجر کی آیت ۹۲ {فَوَرَبِّكَ لَنَسْاَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ} (تمھارے رب کی قسم ہم ضرور بالضرور ان سے سوال کریں گے) کی نفی ہوتی ہے۔

اس لیے کہ روز قیامت مختلف انداز سے سوالات پوچھے جائیں گے۔

کچھ سوالات کے جوابات ان کی زبانی دریافت کیے جائیں گے اور کچھ لوگوں کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور ان کے اعضاء سے ہم کلام ہوا جائے گا اور کچھ لوگوں کو

ان کی پیشانی سے پہچان لیا جائے گا: {يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ} جرم کرنے والوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیا جائے گا اور انھیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں کو پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔

یہ جملہ درحقیقت پوشیدہ سوال کا جواب ہے گویا کہ یہ دریافت کیا گیا کہ جب ان لوگوں سے گناہوں کے متعلق سوال نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ تو جواب دیا گیا کہ مجرمین سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے کہ انھیں ان کے چہروں سے پہچان لیا جائے گا۔ اسی لئے جملہ کو مستقل طور سے الگ بیان کیا گیا اور سابقہ جملہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

{بِسِيمَاهُمْ} سے مراد وہ علامتیں ہیں جو ان کے چہرے سے نمایاں ہوں گی۔

{فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ} حرف ''ف'' لا کر مذکورہ جملے کو اور نمایاں کیا گیا ہے اور قدرے وضاحت کی گئی ہے۔

{نَوَاصِي} ناصية کی جمع ہے، سر کے اگلے حصے کے بال اس سے مراد ہیں۔

{أَقْدَامِ} قدم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پاؤں۔

جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ ''کسی سے اس کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ مجرمین کو ان کے چہروں کی واضح علامتوں سے پہچان لیا جائے گا اور مجرمین کے بالوں اور پاؤں کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے واصل جہنم کر دیا جائے گا۔''

{هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ} ''یہی وہ جہنم ہے مجرمین جسے جھٹلایا کرتے تھے اب اسی جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان وہ چکر لگاتے رہیں گے۔''

یہ درحقیقت ایک پوشیدہ سوال کا جواب ہے کہ قیامت کے دن کہا جائے گا۔

''یہ وہ جہنم ہے مجرمین جسے جھٹلایا کرتے تھے۔''

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں فرمایا کہ ''یہ ممکن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان مجرمین کو پیشانی کے بالوں اور پاؤں کو پکڑ کر گھسیٹا جائے گا تو اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یہ ہے وہ جہنم آپ کے قوم کے خطا کار جس کا انکار کیا کرتے تھے انھیں جلد ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا تا کہ ان کا معاملہ آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔''

{حَمِيمٍ} کے معنی ہیں گرم پانی۔

{آنٍ} جس کی حرارت انتہا کو پہنچ جائے۔

{وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ} اور جو شخص اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اس کے لئے دو باغات ہیں۔

اب آغاز ہو رہا ہے ان نیکوکاروں کے احوال کا جو عظمت خداوندی سے لرزہ براندام ہیں۔

{مَقَامَ} مصدر میمی ہے یعنی قیام یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

قیام سے مراد یہ ہے کہ جب بندہ کوئی عمل انجام دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کا احاطہ کر لیتا ہے اور اس عمل کے بارے میں علم رکھتا ہے اور اس کے عمل کو منضبط کر لیتا ہے اور اس کی جزا بھی معین کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ} (سورۂ رعد۔ ۳۳)

کیا وہ ہستی جو ہر ایک کے اعمال سے باخبر ہے؟

اور یہ بھی ممکن ہے کہ {مَقَامَ} اسم مکان ہو اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا مقام اور اس کا موقف بندے کی نسبت سے ہو اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے جو اس کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔ اور اس کی تدبیروں میں سے یہ ہے کہ اس نے اپنے رسولوں کی

زبانی اسے ایمان اور عمل صالح کی دعوت دی اور یہ فیصلہ کیا کہ اس کے عمل خیر یا عمل شر کی جزا دے گا اور یہی اس کا احاطہ ہے۔ وہ اسی طرح انسانوں کے ساتھ ہے۔ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے، وہ سنتا ہے اور یہ جو عمل کرتا ہے وہ اسے دیکھتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف کبھی تو کفر و معصیت کی وجہ سے سزا پانے کے ڈر سے ہوتا ہے۔ اس سے یہ امر لازم آتا ہے کہ یہ شخص جس کی عبادت کر رہا ہے، وہ خوف کی وجہ سے ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ صرف عذاب سے چھٹکارا پانا چاہتا ہے، اس کی عبادت خَالِصَةً لِوَجْهِ اللهِ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ غلامانہ عبادت ہے جو وہ اپنے آقا کی سزا کے ڈر سے کر رہا ہے۔ جس طرح اس شخص کی عبادت جو ثواب کے لالچ میں عبادت کرتا ہے جس کی عبادت کا مطمح نظر اپنی خواہشات نفسانی کا حصول ہے، رب کریم کی رضامندی نہیں اور یہ تاجرانہ عبادت ہے۔ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے اور ہم اس کا کچھ حصہ اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔

آیت {لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ} میں جس خوف کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ بظاہر اس کے علاوہ کوئی اور خوف ہے کیوں کہ یہ آخرت کے انجام کا خوف ہے جو اس خوف کے علاوہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے عمل کا جائزہ لے گا یا بندے کی جانب سے عظمت خداوندی کا خوف، وہ محض ایک خاص اثر ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے چھوٹے پن اور حقارت کا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عزّت و جبروت کے مقابل میں ذلّت و خواری کے اثرات کے ظہور کا۔

اور خوف خداوندی کے ساتھ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ خضوع و خشوع صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اس لیے کہ وہ صاحب جلال و اکرام ہے۔ عبادت نہ تو عذاب کے ڈر سے ہو اور نہ ہی ثواب کے لالچ میں ہو بلکہ مکمل خلوص کے ساتھ صرف رضائے خداوندی کی خاطر ہو۔ اور خوف کا یہی مفہوم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرّب فرشتوں کی

توصیف کی ہے جو معصوم عن الخطاء ہیں۔ وہ اس عذاب سے محفوظ ہیں جو مخالفت خداوندی کے سبب ہوتا ہے اور وہ ایسا کوئی کام انجام نہیں دیتے جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ ارشاد باری ہے:

{يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ} (سورۂ نحل ۵۰)

تو مذکورہ بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے {لِمَنْ خَافَ} سے جن افراد کی جانب اشارہ کیا ہے وہ صاحبان اخلاص ہیں اس کے جلال کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، اس کی عبادت میں منہمک ہیں اس لیے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر ہے، اس کی عبادت نہ تو وہ عذاب کے ڈر سے کر رہے ہیں اور نہ ہی انھیں کسی قسم کے ثواب کا لالچ ہے اور بعید نہیں کہ یہ وہ ہستیاں ہوں جنھیں {وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً} {وَالسَّابِقُونَ} (الواقعہ) کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔

جنتان تثنیہ ہے یعنی دو جنتیں۔

کہا گیا ہے کہ ایک جنت اس کی منزل اور اس کے احباب سے ملاقات کے لیے ہوگی اور دوسری جنت اس کے ازواج کی رہائش گاہ اور خدّام کے لیے ہوگی۔

اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد دو باغات ہیں۔ ایک باغ محل کے اندر اور دوسرا باغ محل کے باہر ہوگا۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ دو منازل کے نام ہیں۔ وہ ایک منزل سے دوسری منزل میں لذّتوں کی تکمیل کے لیے منتقل ہوگا۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک جنت عقیدہ کے عوض اور دوسری عمل کے بدلے میں ملے گی۔

اور ایک قول کے مطابق ایک جنت اطاعت کی وجہ سے اور دوسری جنت ترک گناہ کی وجہ سے اس کے حصہ میں آئے گی۔

اور یہ بھی قول ہے کہ ایک جسمانی جنت ہے اور دوسری روحانی جنت ہے۔

یہ سب مختلف اقوال تھے جن میں سے کسی کے لیے کوئی خاص دلیل نہیں ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ ایک بہشت استحقاق کے سبب ملے گی اور دوسری فضل خداوندی کی وجہ سے میسّر آئے گی۔ ممکن ہے کہ اس قول کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر ترجیح دی جائے

{لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ} (سورۂ ق۔ ۳۵)

(وہاں ان کے لیے جو کچھ چاہیں گے وہ حاضر رہے گا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔)

جیسا کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

{ذَوَاتَا أَفْنَانٍ} ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور۔

{ذَوَاتَا} ذَات کا تثنیہ اور أَفْنَان فن کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نوع۔ جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان دونوں جنتوں میں پھلوں کی مختلف اقسام ہیں یا {أَفْنَانٍ} فَنَن کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مرطوب اور نرم ٹہنی۔ تو اس صورت میں جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ دونوں جنتیں نرم ٹہنیوں والے درخت رکھتی ہیں۔

{فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ} ان دونوں باغات میں دو چشمے رواں ہیں۔

لفظ {عَيْنَانِ} کو نکرہ لایا گیا ہے تاکہ وہ ان دونوں چشموں کی عظمت پر دلالت کرے جو دونوں جنتوں میں ہوں گے۔

{فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ} دونوں باغوں میں ہر پھل دو دو طرح کے ہوں گے۔

{زَوْجَانِ} کے معنی ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔

کہا گیا ہے کہ ایک قسم تو ان کے علم میں ہے اور اس کا مشاہدہ وہ دنیا میں کر چکے

ہیں اور دوسری قسم کا انھیں علم نہیں ہے۔ انھوں نے دنیا میں اس کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں، لیکن ان میں سے کسی قول پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

{مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ} جنّتی لوگ ایسے فرش پر تکیے لگا کے بیٹھیں گے جن کے استر سبز دبیز ریشم کے ہوں گے۔

{فُرُشٍ} فراش کی جمع ہے اور {بَطَائِنُ} بِطَانہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کسی شے کا اندرونی حصہ (استر) اور راس کا جوف یہ لفظ ''ظہائر'' کے مقابلے میں بولا جاتا ہے جو ظہیرہ کی جمع ہے معنی ہیں ظاہری اور اوپری حصہ {إِسْتَبْرَقٍ} کے معنی ہیں دبیز ریشم۔

تفسیر مجمع البیان میں علامہ طبرسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف بِطَانہ استر اندرونی حصہ کا ذکر کیا اور (ظہارہ) بیرونی حصہ اور سطح کو بیان نہیں کیا؛ اس لیے کہ جس کا استر ہوگا اس کی سطح ضرور ہوگی اور استر کو بغیر سطح کے بیان کرنا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ جب اس کا استر استبرق کا ہے تو اس کی سطح یقینا نہایت اعلیٰ وارفع ہوگی۔

{وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ} اور باغوں کی ڈالیاں پھلوں سے لدی ہوئی نزدیک ہوں گی۔

اور لفظ {دَانٍ} دراصل دَانِیٌ تھا جو دُنُو مصدر کا اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں نزدیکی۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہوگا:

''جنت کے درختوں کے پھل جو پک چکے ہوں گے بہت نزدیک ہوں گے اور ان تک رسائی آسان ہوگی۔

{فِيۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ} ان نعمتوں میں پاک دامن عورتیں ہوں گی۔

{فِيۡهِنَّ} کی ضمیر {فُرُشٍ} کی طرف لوٹتی ہے اور اس کے {جَنَّتٰنِ} کی طرف پلٹنے کا بھی جواز ہے اس لیے کہ وہ باغات اللہ کے ہر ولی کے لیے ہیں جن میں سے یہ دو جنتیں بھی ہیں۔

{طَرۡفِ} کے معنی ہیں پلک اور ''قصور الطرف'' سے مراد یہ ہے کہ جنت کے افراد اپنی ازواج پر اکتفا کریں گے، کسی اور کی طرف کن آنکھوں سے بھی نہ دیکھیں گے۔

{لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ} جنھیں ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا تک نہ ہوگا۔

{اَلطَّمۡثُ} کے معنی ہیں بکارت کو زائل کرنا۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جنت میں ایسی بیویاں ملیں گی جو باکرہ ہوں گی، کسی جن یا انسان نے انھیں چھوا تک نہ ہوگا۔

{كَاَنَّهُنَّ الۡيَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ} یعنی وہ عورتیں حسن و جمال اور چمک دمک میں یاقوت و مرجان جیسی ہوں گی، ان کے ہونٹ یاقوت ہوں گے تو چہرہ مرجان ہوگا۔

{هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ} نیکی کا بدلہ نیکی کے سِوا اور کیا ہوسکتا ہے!

جملہ سوالیہ ہے جس کا انداز انکاری ہے اور اس میں علّت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا ذکر کیا ہے کہ انھیں دو جنتیں عطا کی ہیں اور ان میں طرح طرح کی نعمتیں فراہم کی ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے احسان کے بدلے میں جو عظمت خداوندی کے خوف کی صورت میں ہے ان پر یہ احسان کرنا چاہتا ہے۔ یعنی

اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہے کہ ان کا خوف خداوندی درحقیقت ایک احسان تھا، اللہ نے یہ تمام نعمتیں اس احسان کے بدلے میں عطا کی ہیں۔

آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو جنت اور اس کی نعمتیں ان کے اعمال کی جزا میں ملیں گی اور دوسری آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انھیں جزا کے علاوہ بھی کچھ اور ملے گا تو دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے، مگر یہ کہ کہا جائے کہ احسان اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ محسن کے احسان سے بڑھ کر ہو تو اللہ تعالیٰ کے قول {اِلَّا الۡاِحۡسَانُ} کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے، یعنی اللہ کا احسان ان کے احسان سے بڑھ کر ہے۔

{وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ} ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہوں گے۔

تثنیہ کی ضمیر ان جنتوں کے بارے میں ہے جن کے اوصاف آیات ماسبق میں بیان ہو چکے ہیں اور {وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا} کا مفہوم ہے کہ یہ دونوں جنّتیں فضل و شرف میں ان سے کمتر ہیں اگرچہ وہ نعمتوں اور انعامات کے اعتبار سے دونوں سابقہ جنّتوں کی مانند ہیں اور پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سابقہ دونوں جنتیں ان مومنین مخلصین کے لیے ہیں جو مقام رب کو پہچانتے ہوئے خوف خدا رکھتے ہیں تو یہ جنّتیں ان سے کم درجہ مومنین کے لیے ہوں گی جو جہنم کے خوف یا جنت کی طمع میں عبادت خدا کیا کرتے ہیں اور وہ لوگ اصحاب الیمین ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ {وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا} کے معنی ہیں ''ان دونوں جنتوں کے نزدیک''، اور سیاق آیت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں جنتیں بھی ان جنتی لوگوں کے لیے ہیں جو خوف خدا رکھتے ہیں بلکہ بعض مفسّرین کا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں جنتیں سابقہ بیان کردہ جنتوں سے افضل ہیں اور ان کی جو خوبیاں کی گئی ہیں وہ سابقہ جنتوں سے بہتر ہیں۔

ہم نے {لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ} کے جو معنی بیان کیے ہیں اور کلام ربانی

سے جو نتیجہ نکلتا ہے اگر تم اس میں تدبر کرو گے تو سمجھ لو گے کہ جنت میں جانے والے دو طرح کے افراد ہیں:

۱۔مقرب صاحبان اخلاص

۲۔اصحاب الیمین: دائیں طرف والے

{مُدْهَامَّتَانِ} جن کی رنگت سیاہی مائل اور سبز ہوگی۔

یہ لفظ {اِدْھِیام} سے مشتق ہے جس کی رنگت بہت زیادہ سبزی مائل ہو جو سیاہی تک جا پہنچتی ہو اور وہ درحقیقت درخت کی تروتازگی اور شادابی ہے۔

{فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ} ان دونوں باغات میں دو چشمے موج زن ہوں گے۔

{عَيْنَانِ} تثنیہ ہے۔ عَيْن کے معنی ہیں چشمہ اور فوارہ یعنی دو فوارے بڑی قوت کے ساتھ اپنے منابع سے نکل رہے ہوں گے۔

{فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ} ان میں بکثرت پھل، نیز کھجور اور انار کے درخت ہوں گے۔

اس آیت میں {فَاكِهَةٌ} اور {رُمَّانٌ} سے پھلوں اور انار کے درخت مراد ہیں، اس لئے کہ {نَخْلٌ} کا لفظ اس کے ساتھ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم ہے کھجور کا درخت۔

{فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ} ان نعمتوں کے درمیان خوب سیرت اور خوبصورت بیویاں ہوں گی۔

{فِيهِنَّ} میں هُنَّ کی ضمیر باغات کے اعتبار سے ہے کہ ان دو باغات میں دو دو طرح کے باغات ہوں گے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس ضمیر کا مرجع وہ چار باغات (جنتیں) ہیں جن کا آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ هنّ کی ضمیر {فَاكِهَةٌ}، {نَخْلٌ} اور {رُمَّانٌ} کی

مناسبت سے لائی گئی ہے۔

لفظ {خَيْر} کا استعمال اکثر پسندیدہ صفات کے لئے ہوتا ہے جس طرح حُسن کا لفظ صورت کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس بنیاد پر {خَيْرَاتٌ حِسَانٌ} کے معنی یہ ہوں گے کہ جنت میں ایسی عورتیں ہیں جن کے اخلاق بہترین اور جن کی صورت حَسین ہے۔

{حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ} ایسی حوریں ہیں جو خیموں میں چھپی بیٹھی ہیں۔

{خِيَام} خیمه کی جمع ہے اور {مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ} سے مراد ہے کہ وہ حوریں اجنبیوں کی دسترس سے محفوظ ہیں، وہ بازاری عورتیں نہیں ہیں، ان کے شوہر کے علاوہ کوئی بھی ان کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

{لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ} جنھیں اس سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہے اور نہ کسی جن نے۔

اس آیت کی تفسیر اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

{مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ} وہ جنتی سبز قالینوں اور نفیس و نادر مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

صحاح میں ہے کہ {رَفْرَفٍ} ایسے سبز کپڑے کو کہتے ہیں جس سے نشست کو آراستہ کیا جاتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تکیہ ہے۔

اور اس بارے میں دوسرے اقوال بھی بیان کئے گئے ہیں۔

اور {خُضْرٍ} اخضر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سبز جو {رَفْرَفٍ} کی صفت بھی ہے۔

{عَبْقَرِيٍّ} ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جو حیرہ کا بنا ہوا ہو یا طنفسہ میں تیار کیا گیا

ہو۔

اور کسی نے کہا: ایسا کپڑا جو ریشم اور سوت کا بنا ہوا ہو اور ایک گروہ کے نزدیک اس سے مراد دیبا کا لباس ہے۔

{تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ} مبارک ہے تمھارے رب کا نام جو صاحب عظمت و اکرام ہے۔

اس آیت میں اللّٰہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف ہے۔ دنیا و آخرت دونوں جس کی نازل کردہ نعمتوں، برکتوں اور رحمتوں سے مملو ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بابرکت نام سے مراد رحمٰن ہے جس سے سورت کا آغاز ہوا ہے اور {تَبٰرَكَ} کے معنی ہیں خیر کا زیادہ ہونا اور برکتوں کا نازل ہونا۔ پس {تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ} کے معنی ہوں گے کہ بابرکت ہے اور اللّٰہ جو رحمٰن کے نام سے موسوم ہے اور جس کی نعمتیں بے پایاں اور فراواں ہیں۔

پس {ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ} کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے خود کو اسمائے حسنیٰ سے متصف کیا ہے اور واقعی وہ اس کا حقدار ہے اور جلال و اکرام کے معانی اور یہ اوصاف اس کے اندر پائے جاتے ہیں اور یہ بات بدیہی ہے کہ فاعل کی صفتیں اس کے افعال کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللّٰہ اپنے صفات کی وضاحت کرتا ہے اور یہی وہ صفات ہیں جو فعل کو فاعل سے مرتبط کرتے ہیں۔ پس اگر اللّٰہ تعالیٰ نے مخلوقات کو خلق فرمایا اور کائنات کو منظم بنایا تو اسی وجہ سے کہ وہ موجد، خالق اور پیدا کرنے والا ہے، اس کے تمام افعال مستحکم ہیں اس لیے کہ وہ علیم (دانا) اور حکیم (صاحب حکمت) ہے۔ وہ اطاعت گذاروں کو اچھی جزا دیتا ہے کیونکہ وہ ودود (محبت کرنے والا) شکور (قدردان) غفور (بخشنے والا) اور رحیم (مہربان) ہے۔

اور وہ فاسقین کو سزا دیتا ہے کیونکہ وہ مُنْتَقِمٌ (انتقام لینے والا) اور شَدِيْدُ

الْعِقَاب (سخت سزا دینے والا) ہے۔

صفت رب جو اس کی وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہے {ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ} کے ساتھ یہ لفظ لاکر اس امر کی جانب متوجہ کرنا مقصود ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی جانب سے جو رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں ان میں اللّٰہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور بلند و بالا اوصاف کا بہت بڑا دخل ہے۔

اور یہ کہ اس کی نعمتوں، نوازشوں اور عنایتوں پر اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کی مہر ثبت ہے۔

اس کی ذات بابرکت اور بلند و بالا ہے۔

روایات کی بحث:

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مخلوقات کا احاطہ کرلیا گیا فرشتوں اور آگ کے شعلوں سے اور پھر انھیں آواز دی گئی {يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ} سے قول خداوندی {يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ} تک میں کہتا ہوں کہ اسی مفہوم کی روایت مسعدہ بن صدقہ نے کلیب سے اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

کتاب اصول کافی میں یعقوب کلینی نے اپنی سند سے داؤد رقی سے انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے اللّٰہ تعالیٰ کے قول {لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ} کے بارے میں روایت کی ہے کہ ”جو شخص یہ جان لے کہ اللّٰہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کی بات کو سن رہا ہے اور اس کے ہر عمل خیر اور شر کا اسے علم ہے اور یہی یقین اس شخص کو برے اعمال بجالانے سے روک دے تو سمجھ لو کہ {لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ} اور {نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى} (نفس کو بیجا خواہشات سے روک دینے) کا یہی مفہوم ہے۔“

دُرِّ مَنْثُور میں روایت ہے جس کی تخریج کی ہے ابن ابی شیبہ، احمد، ابن منیع اور حکیم نے نوادر الاصول میں نسائی، بزار، ابویعلیٰ، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن منذر، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابودرداء سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس آیت {لِمَنْ خَافَ} کو جب پڑھا تو میں نے دریافت کیا: اَوَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ يَارَسُوْلَ اللهِ! اے اللہ کے رسولؐ خواہ وہ زنا اور چوری کرے تب بھی؟ تو نبی اکرمؐ نے دوبارہ کہا: {لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ} میں نے پھر پوچھا: اَوَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ خواہ وہ زنا اور چوری کرے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں چاہے ابودرداء کی ناک کو خاک پر رگڑا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اشکال سے خالی نہیں کیوں کہ عظمت رب کو پہچان کر جو خوف خداوندی رکھتا ہوگا وہ ان گناہان کبیرہ کا ارتکاب کر ہی نہیں سکتا، اور خود ابودرداء سے بھی ایک روایت ہے جو اس روایت کی تردید کرتی ہے۔

دُرِّ مَنْثُور میں تخریج کی ہے ابن جریر اور ابن منذر نے یسار (آل معاویہ کے خادم) سے اور اس نے ابودرداء سے اللہ کے قول {لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ} کے بارے میں۔ کہا ابودرداء نے اس سے سوال کیا گیا کہ اگر وہ زنا اور چوری کرے تب بھی؟ تو ابودرداء نے جواب دیا: جو خوف الٰہی دل میں رکھتا ہوگا وہ زنا کا ارتکاب اور چوری نہیں کر سکتا۔

اور تفسیر قمی میں اللہ تعالیٰ کے قول {قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ} کی تفسیر کے ذیل میں تحریر ہے کہ حور العین نور جنت کی ضیاء کے سبب اپنی نگاہوں کو صرف اسی طرف مرکوز رکھیں گی کسی اور طرف ان کی نگاہ نہیں اٹھے گی۔

تفسیر درمنثور میں روایت کی ہے ابن مردویہ نے جعفرؑ بن محمدؑ سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے جد سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول {قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ} کی تفسیر کرتے ہوئے نبی اکرمؐ نے فرمایا: وہ "لَايَنْظُرْنَ اِلَّااِلٰى اَزْوَاجِهِنَّ" حوریں اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی طرف نظر نہیں اٹھائیں گی۔

تفسیر مجمع البیان میں اللہ تعالیٰ کے قول {كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ} کی تفسیر کے ذیل میں مرقوم ہے حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی عورت اتنی حسین ہوگی کہ اس کی ہڈی ریشم کے ستر کپڑوں کے پیچھے سے بھی نظر آئے گی۔

میں کہتا ہوں کہ اس مضمون پر مشتمل بے شمار روایات موجود ہیں۔ تفسیر عیاشی نے اپنی سند سے علی بن سالم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی کتاب تحریری شکل میں بطور معاہدہ موجود ہے۔ میں نے دریافت کیا: وہ کون سی آیت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: {هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ}

اس کا اطلاق مومن و کافر، نیکوکار اور بدکار سب پر ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا ویسا ہی بدلہ دے اور بدلہ صرف اتنا نہیں ہے کہ اس نے تمھارے ساتھ جیسا سلوک کیا ہے تم بھی ویسا سلوک کرو، بلکہ اس سے بڑھ کر کرو۔ اگر تمھارا برتاؤ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کیا ہے تو نیکی کی پہل کرنے کا شرف تو اسے بہر حال حاصل ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں اللہ تعالی کے قول {هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ} کی تفسیر کے ذیل میں انس بن مالک سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے رب نے اس آیت میں کیا فرمایا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا: تمھارے رب کا یہ فرمان ہے کہ جس نے میری توحید کا اقرار کیا ہے میں نے بطور انعام اسے جنت عطا کر دی ہے۔

تفسیر قمیؒ میں اس آیت کے ذیل میں آیا ہے میں نے جسے معرفت کی نعمت عطا کی ہے اس کی جزا بھی جنت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیتؑ سے مروی ہے جسے کتاب توحید میں سنداً امام جعفر صادقؑ سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے اپنے آباء و اجداد سے اور انھوں نے حضرت علیؑ اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: {مَا جَزَآءُ مَنْ اَنْعَمْتُ عَلَيْهِ بِالتَّوْحِيْدِ اِلَّا الْجَنَّةُ}

اللّٰہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ''جسے میں نے توحید کی نعمت سے نوازا ہے اس کی جزا سوائے جنت کے کچھ اور نہیں ہے۔''

اور دوسری روایت علل الشرائع میں امام حسنؑ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"هَلْ جَزَآءُ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِلَّا الْجَنَّةُ"

کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا اس کی جزا سوائے جنت کے کچھ اور نہیں ہے۔

اور تفسیر درمنثور میں یہ روایت مختلف لفظوں میں متعدد طریقوں سے نبی اکرمؐ سے منقول ہے۔

اللّٰہ تعالیٰ کا قول {اَنْعَمْتُ عَلَيْهِ} اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کا احسان درحقیقت بندے کی طرف اللّٰہ کا احسان ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں اللّٰہ تعالیٰ کے قول {وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ} کے ذیل

میں علاء بن سیابہ امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کی کہ مولا! لوگ ہم پر تعجب کرتے ہیں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک گروہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوجائے گا تو وہ ہم سے کہتے ہیں کہ کیا وہ اولیائے خداوند کے ساتھ جنت میں مقیم ہوں گے؟ تو امامؑ نے فرمایا: اے صاحبزادے اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ} ''ان کے علاوہ بھی دو جنتیں ہوں گی''، نہیں ہرگز نہیں وہ لوگ اولیاء اللّٰہ کے ساتھ نہیں ہوں گے۔

تفسیر درمنثور میں تخریج کی ہے ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ نے ابوموسیٰ سے اور انھوں نے نبی اکرمؐ سے اللّٰہ تعالیٰ کے قول {وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ} اور قول خداوندی {وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ} کی تفسیر کے ذیل میں آنحضرتؐ نے فرمایا: "جَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ لِلْمُقَرَّبِيْنَ وَجَنَّتَانِ مِنْ وَرِقٍ لِاَصْحَابِ الْيَمِيْنِ" کہ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لئے ہیں اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ہم نے ان دو آیتوں کی تفسیر کے ذیل میں جو کچھ بیان کیا ہے دونوں روایتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

اور تفسیر درمنثور میں ہے جس کی تخریج کی ہے طبرانی نے ابن مردویہ اور انھوں نے ابوایوب سے انھوں نے کہا کہ میں نے {مُدْهَآمَّتَانِ} کے بارے میں نبی اکرمؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "خَضْرَاوَانِ" یعنی سرسبز و شاداب۔

اور تفسیر قمی نے اپنی سند سے یونس بن ظبیان اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللّٰہ تعالیٰ کے قول {نَضَّاخَتَانِ} کے بارے میں روایت نقل کی ہے امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کے معنی ہیں "تَفُوْرَانِ" یعنی دونوں چشمے موج زن ہوں گے۔

اور تفسیر قمی میں اللّٰہ تعالیٰ کے قول {فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ} کے ذیل میں

روایت ہے فرمایا:

جَوارٌ نَابِتَاتٌ عَلیٰ شَطِّ الْکَوثَرِ کُلَّمَا اُخِذَتْ مِنهَا نَبَتَتْ مَکَانَهَا اُخْریٰ (گویا کوثر کے کنارے نازک اندام عورتیں اُگ رہی ہیں جب بھی ان میں سے ایک کو لیا جاتا ہے اس کی جگہ دوسری اُگ جاتی ہے)۔

اس حدیث میں بطور کنایہ فقط حوروں کی کثرت کو بیان کیا گیا ہے ورنہ زمین سے ان کے اُگنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تفسیر مجمع البیان میں اللہ تعالیٰ کے قول {خَیْرَاتٌ حِسَانٌ} کے ذیل میں آیا ہے جسے حضرت اُمِ سلمہ نے آنحضرتؐ سے نقل فرمایا ہے: "ای نساءٌ خیرات الاخلاق حِسان الوجوہ" یعنی وہ عورتیں بہترین اخلاق کی مالک اور خوبصورت ہوں گی۔

کتاب فقیہ میں امام صادقؑ سے {خَیْرَاتٌ حِسَانٌ} کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس سے مراد دنیاوی عورتیں ہیں جو بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے زیادہ خوبصورت ہوں گی۔

کتاب روضۂ کافی میں کلینی نے اپنی سند سے حلبی سے روایت بیان کی ہے انھوں نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے اللہ تعالیٰ کے قول {فِیْهِنَّ خَیْرَاتٌ حِسَانٌ} کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: "هُنَّ صَوَالِحُ الْمُؤْمِنَاتِ الْعَارِفَاتِ" اس سے مراد ایسی نیکوکار مومن خواتین ہیں جو با معرفت ہیں۔

●●●

باسمہ سبحانہ

کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟

جوش ملیح آبادی کی ایک نظم سورۂ رحمٰن کا مختصر ترجمہ:

اے فنا انجام انساں کب تجھے ہوش آئے گا   تیرگی میں ٹھوکریں آخر کہاں تک کھائے گا
اس تمرّد کی روش سے بھی کبھی شرمائے گا   کیا کرے گا سامنے سے جب حجاب اٹھ جائے گا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟

یہ سحر کا حسن یہ سیارگان اور یہ فضاء   یہ معطر باغ یہ سبزہ یہ کلیاں دل ربا
یہ بیاباں یہ کھلے میدان یہ ٹھنڈی ہوا   سوچ تو کیا کیا، کیا ہے تجھ کو قدرت نے عطا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟

خلد میں حوریں تیری مشتاق ہیں آنکھیں اٹھا   نیچی نظریں جن کا زیور جن کی آرائش حیا
جن و انساں میں کسی نے بھی نہیں جن کو چھوا   جن کی باتیں عطر میں ڈوبی ہوئی جیسے صبا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟

اپنے مرکز سے نہ چل منھ پھیر کر بہر خدا   بھولتا ہے کوئی اپنی انتہا اور ابتدا؟
یاد ہے وہ دور بھی تجھ کو کہ جب تو خاک تھا   کس نے اپنی سانس سے تجھ کو منوّر کر دیا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟

سبز گہرے رنگ کی بیلیں چڑھی ہیں جا بجا   نرم شاخیں جھومتی ہیں رقص کرتی ہے صبا
پھل وہ شاخوں پر لگے ہیں دلفریب و خوشنما   جن کا ہر ریشہ ہے قند و شہد میں ڈوبا ہوا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟

پھول میں خوشبو بھری جنگل کی بوٹی میں دوا　　بحر سے موتی نکالے صاف روشن خوشنما
آگ سے شعلہ نکالا ابر سے آب صفا　　کس سے ہوسکتا ہے اس کی بخششوں کا حق ادا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟
ہر نفس طوفان ہے ہر سانس ہے اک زلزلہ　　موت کی جانب رواں ہے زندگی کا قافلہ
مضطرب ہر چیز ہے جنبش میں ہے ارض وسما　　اِن میں قائم ہے تو تیرے رب کے چہرے کی ضیا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا؟

●●●

مرد مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!
ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشان!
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان!
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب وروز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن!

(کلیاتِ اقبال ”ضربِ کلیم“)